© rasailojaraid.com

انتقاد

١

قرآنی دستورِ انقلابؒ ○ قرآنی عنوانِ انقلابؒ ○ قرآنی اساسِ انقلابؒ

قرآنی جنگِ انقلابؒ ○ قرآنی اُصولِ انقلابؒ ○ قرآنی فکرِ انقلابؒ ○

یہ کتابیں "حکیمانہ انقلابی تفسیر" ہیں بالترتیب ان سورتوں کی :- سورہ مزمّل اور سورہ مدثر۔ سورہ فتح۔ سورہ فاتحہ۔ سورہ محمّد۔ سورہ عصر۔ سورہ اخلاص اور معوذتین۔ یہ دراصل تقریریں ہیں حضرت مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم کی، اور انہیں مرتب کیا ہے شیخ بشیر احمد صاحب لودھیانوی نے، اور ان کا ناشر ادارۂ حکمتِ اسلامیہ، ۴۔ اُردو بازار لاہور ہے۔

فاضل مرتب نے "قرآنی دستورِ انقلاب" یعنی سورہ مزمّل اور سورہ مدثّر کی تفسیر کے مقدمہ میں لکھا ہے:- "غرض قرآنِ حکیم کی تعلیم انقلابی تعلیم ہے، اس انقلاب کا پہلا مطمحِ نظر قیصر و کسریٰ کی حکومتوں کی بربادی تھا اور اس کا دائمی منشاء اس کے قانون کا غلبہ ہے، جس کی ایک اہم مقدمہ ماکین کی تنظیم ہے۔" اس سے کچھ آگے موصوف لکھتے ہیں:- "دنیا کو ایک انقلابِ عظیم کی توقع رکھنی چاہیئے، جو نہ صرف جامع ہوگا بلکہ عالم گیر بھی ہوگا اور وہ انقلاب قرآنِ حکیم کے اُصول پر ہوگا۔" مرتب کا خیال ہے کہ اس کے لئے ہمیں امام الائمہ امام ولی اللہ دہلوی کی حکمت کی مدد سے قرآنِ حکیم کو سمجھنا ہوگا۔

قرآن مجید ایک انقلاب کی دعوت ہے، ایک انسانیت گیر انقلاب کی، ایسا انقلاب جو حسنۃ فی الدنیا اور حسنۃ فی الاخرۃ ہر دو پر حاوی ہے اور دونوں کو لازم و ملزوم قرار دیتا ہے۔ چنانچہ زیرِ نظر تفسیر سورہ میں اسی بات پر تمام تر زور دیا گیا ہے۔ مثلاً مزمّل کے معنی "رفقاءِ راہ تیار کرنے والا" کئے گئے ہیں اور مدثّر کے معنی "انسانیت میں سے ہر قسم کا ظلم مٹانے والا۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آیات کی تفسیر میں اکثر حضرت شاہ ولی اللہؒ کے حوالے دیئے گئے ہیں اور ظاہر ہے یہ مولانا سندھیؒ کی تقریرات سے ماخوذ ہیں۔ چنانچہ رتّل القرآن ترتیلاً کی تشریح یوں کی گئی ہے:۔ شاہ ولی اللہؒ کے نزدیک ترتیل کے معنی اس طرح سمجھ کر پڑھنا ہے کہ سننے والے اسے خوب سمجھ سکیں۔ ابن کثیر میں اس آیت کا مطلب یوں بیان کیا گیا ہے "ٹھہر ٹھہر کر پڑھ۔ کیونکہ اس طرح قرآن حکیم کے سمجھنے اور اس پر تدبر کرنے میں مدد ملتی ہے اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے ہی پڑھا کرتے تھے"۔ اس ضمن میں حضرت عائشہؓ سے یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ آپؐ قرآن حکیم کی سورتوں کو اس طرح ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرتے تھے کہ طویل سے طویل سورت کے پڑھنے سے بھی زیادہ دیر لگ جایا کرتی تھی۔

اس کے بعد مزید وضاحت کے لئے ایک اقتباس شاہ ولی اللہؒ کے "دیباچہ فتح الرحمٰن" سے دیا گیا ہے:۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں:۔ "انصاف سے کام لو تو معلوم ہوگا کہ قرآن حکیم کے نازل ہونے کا اصل فائدہ تو اسی وقت ہے کہ انسان اس کی نصیحتوں سے عبرت حاصل کرے اور اس کی ھدایت کی باتوں سے سیدھی راہ چلنا سیکھے۔ صرف یہی نہیں کہ اُس کے لفظ زبان سے ادا کرتا رہے۔ گو یہ بھی غنیمت سہی تو جو شخص قرآن حکیم کے معنی سمجھے بغیر اُسے پڑھتا ہے، وہ بھلا اسلام کس طرح سیکھ سکتا ہے۔ اور جو شخص اس کلام الٰہی کا مطلب نہیں سمجھتا، وہ اس کے بے سمجھے پڑھنے سے بھلا کیا مزہ پا سکتا ہے؟

غرض "ترتیل" کے ذیل میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ قرآن پڑھنے کا اصل مقصود یہ ہے کہ اُس کے مطالب سمجھے جائیں، اُس پر غور و فکر ہو اور اُس سے رشد و ھدایت حاصل کی جائے۔ مرتب کے الفاظ میں "آج کلام الٰہی کو بے سمجھے پڑھنے کا مادہ جتنا مسلمانوں میں ہے، کسی میں نہیں ہے .... اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس میں سے انقلابی روح فنا ہو رہی ہے"۔

جیسا کہ اوپر ذکر ہوا، مرتب کے نزدیک "مزمّل" کے معنی رفقائے کار تیار کرنے والے کے ہیں۔ چنانچہ اس سورت میں رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ارشاد ہوا ہے کہ آپؐ اصلاحِ عالم کے لئے ساتھی تیار کریں۔ اور اس اصلاح کا پہلا قدم یہ تھا کہ اُس وقت کی دنیا کی سب سے بڑی دو سلطنتوں کو پاش پاش کر دیا جائے کیونکہ وہ انسانیت کے لئے روگ بن چکی تھی۔ آپؐ کو یہ ساتھی قدرتی طور پر قریشؓ سے ہی مل سکتے تھے۔ ان ساتھیوں کی تعلیم و تربیت کے لئے رات کا وقت زیادہ موزوں رہتا ہے۔ چنانچہ آیت قم الّیل الّا قلیلاً اور اس سے بعد کی آیتوں میں اسی کی تلقین کی گئی ہے۔ آیت ان لک فی النھار سبحاً

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طویلا سے مراد یہ لی گئی ہے :۔" انقلاب عمومی کے لئے صرف رات کی خاص جماعت کی تعلیم کافی نہیں ہے بلکہ عوام تک پہنچنا بھی اشد ضروری ہے۔ عوام سے تعلق پیدا کرنے کے لئے دن ہی کا وقت ہو سکتا ہے۔"

اس کے بعد ہے :۔ واذکر اسم ربک وتبتل الیہ تبتیلا۔ مرتب لکھتے ہیں کہ شاہ ولی اللہؒ کے ہاں اسم الٰہی سے مراد تجلی الٰہی ہے۔ گو موصوف نے اس تجلی کی تشریح نہیں کی، لیکن جہاں تک راقم السطور سمجھ سکا ہے، شاہ صاحب چونکہ اس کائنات کو اللہ کی تجلیات کے مظاہر مانتے ہیں، اس لئے ان کے نزدیک کائنات کے ذریعہ ان تجلیات کے مصدر اصلی سے تعلق پیدا کرنا چاہیئے۔ اس کا مرتب کے الفاظ میں مطلب یہ ہوا کہ بے شک اسباب سے کام لیا جائے، لیکن بھروسہ ان اسباب کے خالق پر رہے۔" قرآن مادے کا انکار نہیں کرتا، بلکہ نظر بلند کر کے اُن اسماءِ حُسنیٰ تک پہنچاتا ہے، جو مادے کی اصل ہیں۔"

وذرنی والمکذبین أولی النعمۃ ومھلھم قلیلا۔ (مجھے اور ان جھٹلانے والے فارغ البال لوگوں کو چھوڑ دے اور انھیں تھوڑی سی مہلت دے) اس آیت کی تفسیر کا عنوان ہے" سرمایہ پرستوں سے جواب طلبی"۔ اس کے بعد جو آیات ہیں، اُن میں قیامت کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ مرتب نے لکھا ہے کہ قیامت کے دو مفہوم ہیں۔ ایک تو وہ عمومی مفہوم، جب کہ اس کائنات کا موجودہ نظام تتر بتر ہو جائے گا۔ اور دوسرا مفہوم وہ انقلاب ہے جس سے بے راہ رو قوموں کو سابقہ پڑتا ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ رسول اکرم علیہ السلام کی بعثت کی دو حیثیتیں تھیں۔ ایک قومی اور دوسری عمومی و عالم گیر۔ آیت" انا ارسلنا الیکم رسولاً شاھداً علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولاً" میں بقول مرتب آپؐ کی قومی حیثیت کی طرف اشارہ ہے اور بعثت کی عمومی و عالم گیر حیثیت کے لئے یہ قومی حیثیت ضروری ہوتی ہے۔ موصوف نے یہاں شاہ صاحب کا ایک اقتباس دیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ امام جسے اُمتوں کو ایک ملت میں جمع کرنا ہوتا ہے، وہ پہلے ایک قوم کو دعوت دیتا ہے اور اُس کی اصلاح کر کے اُس سے تمام اہلِ ارض کی اصلاح کا کام لیتا ہے اور کنتم خیر اُمۃ اُخرجت للناس" کے یہی معنی ہیں۔

اُوپر کی آیت میں بتایا گیا ہے کہ اے اہلِ مکہ! ہم نے تمہاری طرف ایسے ہی رسول بھیجا، جیسے فرعون کی طرف موسیٰؑ کو بھیجا تھا۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے۔ فرعون نے رسول کی نافرمانی کی پس ہم نے اس کی خوب گرفت کی، اور اگر تم اس رسول کا انکار کرو گے تو کیسے اُس دن سے بچو گے، جو بچوں کو بوڑھا کر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دے گا اور اُس دن آسمان پھٹ جائے گا" (کان وعدہ مفعولا" - ان آیات کی تفسیر یوں کی گئی ہے:- "تاریخ گواہ ہے کہ یہ پیش گوئی حرف بحرف صحیح نکلی اور اس اعلان کے تیرہ سال کے بعد بدر کی جنگ میں ابوجہل اور اُس کے ساتھی اور چند سال کے بعد ایرانی اور رومی جنگوں میں کسریٰ ایران اور قیصر روم (۱) ہلاک ہوئے"

سورہ مدثر کی تفسیر میں ایک بڑی مفید ضمنی بحث آگئی ہے جس کا عنوان ہے "نبی کریم صلعم کے لئے مشورہ واجب تھا" آیت "وشاورھم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی اللّٰہ" کے ذیل میں امام جصاص الرازی الحنفی کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ "یہ مشاورت نبی اکرم صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے لئے اختیاری نہ تھی، بلکہ واجب تھی" نیز تفسیر ابن کثیر و دُرِ منثور میں حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا گیا کہ آیت فاذا عزمت فتوکل علی اللّٰہ میں "عزم" سے کیا مراد ہے۔ آپؐ نے فرمایا:- "مشاورۃ اھل الرائی ثم اتباعھم" (اہل الرائے سے مشورہ پھر اُس کا اتباع)۔ اسی طرح حضرت عمرؓ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے۔ "لا خلافۃ اِلاّ عن مشورۃ"

آیات فاذا نقر فی الناقور فذلک یومئذٍ یومٌ عسیرٌ علی الکٰفرین غیر یسیر الخ میں مخالفین کو جو وعید دی گئی ہے، مرتب کے نزدیک وہ جنگِ بدر اور بعد کی دوسری جنگوں میں پوری ہوگئی تھی۔ موصوف کے الفاظ میں "مفسرین کرام ان آیات کو قیامت پر لگا کر خاموش ہو گئے ہیں، مگر جیسے "المزمل" کی تفسیر میں دکھایا جا چکا ہے، قیامت سے پہلے دنیا میں چھوٹی قیامت آئے گی اور وہ انقلاب کا دن ہوگا۔ چنانچہ حجاز میں وہ دن آیا تو وہ اُس انقلاب کے مخالفوں کے لئے آسان نہ تھا ......"

سورہ المدثر میں جہاں دوزخ (سقر) کا ذکر ہے، وہاں ایک آیت ہے "علیہا تسعۃ عشر" (اُس پر انیس ۱۹ ہیں)۔ اس انیس کی تشریح یوں کی گئی ہے:- "انسان کی روح میں اُنیس مرکز ہیں جن کے ذریعے سے وہ اپنی تکمیل کرتی ہے .... ان اُنیس مرکزوں کے مطابق جہنم میں بھی اصلاح کے اُنیس مرکز ہیں"

کتاب "قرآنی دستور انقلاب" (جو مشتمل ہے سورہ المزمل و سورہ المدثر کی تفسیر پر) کے آخر میں تمام مطالب کا لبِ لباب یوں پیش کیا گیا ہے:- "یہ انقلاب، جیسے پہلے بیان کیا جا چکا ہے، سرمایہ پرستانہ

---

(۱) قیصر روم ہلاک نہیں ہوا تھا۔ البتہ اُس کے قبضے سے ایشیائی علاقے نکل گئے تھے۔ (د م۔ س)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ذہنیت کے خلاف ہے۔ سورہ مزمل میں اس کا اجمالی ذکر وَذَرْنِی وَالْمُکَذِّبِیْنَ اُولِی النَّعْمَۃِ میں کیا گیا ہے، لیکن مدثر میں اس کا قدرے تفصیلی ذکر آیات ۱۱ تا ۲۵ میں کیا گیا ہے اور سرمایہ پرستانہ ذہنیت کا نہایت باریک نفسیاتی تجزیہ کر کے دکھایا گیا ہے ...... "ایسے لوگ مفادِ عمومی کے خلاف کام کرتے ہیں اور انجام کار ناکام رہتے ہیں۔ انہیں اس دنیا میں تو ناکامی ہوتی ہے اور آخرت میں اُن کے لئے عذابِ الیم ہے۔"

مختصراً یہ خلاصہ ہے ان تفسیری مطالب کا، جو سورہ مزمل اور سورہ مدثر کے ضمن میں اس کتاب میں پیش کئے گئے ہیں۔ اس میں جگہ بہ جگہ بعض اُمور کے بارے میں شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی خاص تعبیرات بھی دی گئی ہیں، مثلاً حشر کے سلسلے میں جو میزان، حساب، تجلّیِ الٰہی، حوض، صحفِ اعمال، شہادت ایدی وارجل و صراط وغیرہ کا جو ذکر آیا ہے، شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ عالَم مثال کی باتیں ہیں، جو کہ مادی اعتبارات سے ماوراء ہے۔

★

دوسری سورتوں کے جو تفسیری مجموعے ہیں، اُن کا اندازِ بیان اور مطالب کی نوعیت بھی کم و بیش یہی ہے۔ اور بعض باتوں کو ان سب میں دہرایا گیا ہے۔ سورہ فاتحہ کی تفسیر "قرآنی اساسِ انقلاب" کے نام سے ہے۔ اس میں شاہ صاحب کا ایک اقتباس ہے جو ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"چونکہ سیدنا ابراہیمؑ کے زمانے میں نسیانِ توحید کا شر معاشرۂ انسانی میں پھیل چکا تھا، اس لئے حق اُس کے بالمقابل نازل ہوا۔ یعنی اشاعتِ توحید اور طہارت، صلوٰۃ، زکوٰۃ، حج، روزوں اور ذکرِ الٰہی کی عبادات جاری کرنے کی شکل میں۔ لیکن چونکہ ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اقوامِ عالم کی ثقافتوں میں خلل پڑ چکا تھا اور اُن کی ارتفاقی زندگی میں بگاڑ پیدا ہو گیا تھا (اختلال الملل و انقلاب الارتفاقات) اور یہ حالت نہایت شدید صورت اختیار کر گئی تھی۔ چنانچہ "نزل الحق بازائہ بالجہاد واشاعۃ العبادات وتوقیتہا والقضاء بزوال دولۃ الروم والعجم وانتظام امر النبوۃ کھیئۃ الارتفاق الرابع نفتح صلی اللہ علیہ وسلم بابا من الخیر لم یفتح قبلہ و انتظمت بہ امۃ من الناس ھی خیر امۃ اخرجت للناس" یعنی "اب حق ان ضرورتوں کے لئے نازل ہوا، اور قرار پایا کہ اِن خرابیوں کے خلاف جہاد کیا جائے اور عبادات کی اشاعت کی جائے۔ اُن کو ادا کرنے کے اوقات معین کر دیئے جائیں [illegible] سلطنتیں برباد کر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے اُن کی جگہ نبوی نظام بین الاقوامی پیمانے (رکھیۃ الارتفاق السرابع) پر قائم کیا جائے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر کا دروازہ کھولا جو اس سے پہلے نہ کھولا گیا تھا۔ اور اس طرح لوگوں کی ایک اُمت تیار ہوئی، اور وہ بہترین اُمت ہے جو لوگوں کے لیئے وجود میں لائی گئی"۔ (التفہیمات الالٰہیۃ۔ جلد اوّل)

شاہ صاحب نے بار بار اس پر زور دیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل جو انبیاء آئے، وہ خاص اپنی اقوام کے لیئے مبعوث ہوئے تھے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کافۃ الناس کے لیے مبعوث ہوئے۔ (حجۃ اللہ البالغہ)

سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں مرتب نے مولانا سندھیؒ کے حوالے سے یہ اقتباس دیا ہے:۔

"جب کوئی قوم اپنے بلند درجے سے گر جاتی ہے اور اشیاء کی حقیقت پر غور کرنا اور اپنا حساب لینا چھوڑ کر بے فکری اختیار کر لیتی ہے تو یہ نظریہ اختیار کر لیتی ہے کہ ہر شے اپنی فطرت میں اچھی یا بُری ہے۔ ماحول کے بدل جانے سے اس کی اچھائی برائی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ یہ خیال اس لئے بنا لیتی ہے کہ وہ اپنے بدلے ہوئے حالات (بُرے ماحول) کی وجہ سے اپنے میں کسی بُرائی کی قائل نہیں ہونا چاہتی۔ وہ اپنی گراوٹ پر قناعت کر لیتی ہے اور یہ سوچ کر اطمینان کر لیتی ہے کہ بلا سے ماحول بگڑ گیا تو کیا ہوا۔ ہم تو اچھے ہی ہیں۔ وہ ان خوبیوں کی جو وہ اپنے مخالفوں میں پاتی ہے، قائل نہیں ہونا چاہتی۔ کیونکہ اگر وہ اپنے مخالفوں میں خوبیاں تسلیم کرے تو اُسے اپنے بُرے ماحول کو بدل کر وہی خوبیاں اپنے اندر پیدا کرنا پڑتی ہیں"۔

اس سے مرتب نے یہ ثابت کیا ہے کہ کوئی چیز اپنی فطرت میں بُری نہیں۔ ایک چیز خاص حالات میں ایک خاص ضرورت پوری نہیں کرتی، اُسے بُری کہہ دیا جاتا ہے۔ "اشیاء کو انسان کے نوعی تقاضوں کے مطابق دیکھا جائے تو کسی چیز کے اچھی یا بُری ہونے کا معیار یہ ہوگا کہ وہ چیز انسان کے ان تقاضوں کے ساتھ موافقت رکھتی ہے یا مخالفت ......" یہاں موصوف نے شاہ ولی اللہؒ کا ایک حوالہ بھی دیا ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں کہ دنیا کے مختلف حصوں میں بسنے والی قوموں کا باوجود اُن کے اوطان کی دُوری اور اختلافِ ادیان کے نیکی کے طریقوں میں اتفاق پایا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ اُن کی فطرت کے مناسب اور نوعی تقاضے کے مطابق ہوتے ہیں، اور جو لوگ نورِ ملکی سے بہرہ ور ہوتے ہیں، اُن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ ان کا الہام کرتا ہے۔

(اِھدنا الصراط المستقیم) کی تفسیر [illegible] سے دراصل انسانی ارادہ اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہمت کو تحریک ہوتی ہے، اور اس کی وجہ سے انسان کو قوائے مافوق مادہ سے تائید مل جاتی ہے۔ پھر اس کے نتیجے میں جو کچھ حاصل ہوتا ہے، وہ خود انسان کی ہمت ہی کا صلہ ہے۔ وہ سب انسان کی فطرت کا جزو ہوتا ہے۔ اُس سے باہر کی چیز نہیں ہوتی۔ یہاں مرتب نے شاہ صاحبؒ کا اقتباس دیا ہے، جو یہ ہے: "خوارق عادات اپنی ذات کی حد کے اندر اُمورِ عادیہ ہی ہیں۔" غرض جب انسان اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا ہے تو اُس کی قوتِ ارادی حرکت میں آتی ہے۔ یہ ارشاد غالباً مولانا سندھیؒ کا ہے:۔

"انبیاء کرام کی تعلیمات میں تحریف کرنے والوں اور فطرتِ انسانی کو مسخ کرنے والوں نے دُعا کے اس مفہوم کو بدل ڈالا ہے۔ فطرتِ سلیمہ اُن کا انکار کرتی ہے۔ ہم اپنی حکمتِ عملی میں دُعا کو علتِ تامہ کا ایک جزو مانتے ہیں۔ ہمارے خیال میں کسی عمل کے بروئے کار آنے میں انسانی ارادے کو بھی دخل ہے۔"

سورۂ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے بندوں کو جو دعا تلقین فرمائی ہے، اُس کا ماحصل مرتب نے زیرِ نظر کتاب کے آخر میں یُوں بیان کیا ہے:۔

"خدایا! کرۂ زمین پر صالح سوسائٹی موجود ہے تو ہمیں اُس کے ساتھ ملنے کی توفیق عطا فرما۔ اگر نہیں ہے تو یہ توفیق عطا فرما کہ ہم ایسی سوسائٹی خود پیدا کریں .... ہم نے انبیاء کرام کی کتابوں میں سے کسی نبی کی کتاب میں ایسی دُعا نہیں دیکھی جو شخصی، قومی، جغرافیائی اور نسلی اثرات سے پاک ہو۔ صرف سورۂ فاتحہ کی اجتماعی انقلابی دعا ہی ایسی دعا ہے، جو ان تمام اثرات سے پاک ہے۔ اس پر تمام اقوام جمع ہو کر آمین کہہ سکتی ہیں۔"

"قرآنی جنگِ انقلاب" سورہ محمدؐ کی تفسیر ہے۔ اس میں ایک جگہ جنگی قیدیوں کے بارے میں بحث ہے، سب سے پہلے تو "جہاد" کو اسلامی تعلیمات کا جزو بتایا گیا ہے۔ اور جہاد کے معنی یہ ہیں کہ رجعت پسند طاقتوں کے اثر و نفوذ کو ختم کرنے کے لئے جد و جہد کی جائے جو قتال کی شکل اختیار کر سکتی ہے۔ اس قتال میں جو لوگ قیدی ہو جائیں، اُنہیں غلام بنایا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ غلام مسلمان خاندانوں میں رہیں۔ اُنہیں وہی کھانا ملے جو خاندان والے کھاتے ہیں۔ اور اسی طرح اُنہیں دوسری سہولتیں بھی حاصل ہوں، اس طرح یہ قیدی اسلامی معاشرے میں ہضم ہو جاتے ہیں اور اُس کے اخلاق و عادات سیکھ لیتے ہیں۔ چنانچہ اسلام کے دورِ اوّل میں اکثر جنگی قیدی بڑے بڑے عالم بنے، اور جن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لوگوں کے پاس وہ بطور غلام کے رہے، وہ اُن کے علم کے وارث بن کر مشہور ہوئے۔

ان غلاموں کو اختیار تھا کہ جب بھی وہ چاہیں، مکاتبت کر کے اپنے آقاؤں سے علیحدگی اختیار کر لیں۔ مسلمانوں پر واجب تھا جیساکہ سورۂ نور کی اس آیت میں ارشاد ہوا ہے " فکاتبوھم ان علمتم فیھم خیرا" واتوھم من مال اللہ الذی اتٰکم "کہ وہ اس میں اُن کی مالی مدد کریں۔ نیز زکوٰۃ کے مصارف میں ایک مصرف یہ بھی بتایا گیا ہے۔

اس بحث کا خلاصہ مرتب نے یہ دیا ہے۔ " جنگی قیدیوں کے معاملے میں قرآن حکیم نے جو قوانین دیئے ہیں، اُن میں خود اُن قیدیوں کی بھلائی (۱) کا بھی بہت حد تک خیال رکھا گیا ہے۔ اس کی طرف اُن لوگوں کی توجہ نہیں ہوئی، جنہوں نے غلامی کا سرے سے انکار کر دیا ہے، ہماری تحقیق کے مطابق سیدنا عثمانؓ کی شہادت تک کے زمانے میں ایک واقعہ بھی نہیں ملتا کہ کسی جنگی قیدی نے مکاتبت چاہی ہو اور وہ اس حق سے محروم کیا گیا ہو۔ اُس دور میں اس قانون پر برابر عمل ہوتا رہا، مگر بنو اُمیہ کے زمانے میں اس قانون سے غفلت شروع ہوئی۔ اُس زمانے میں مسلمان عالم اس غفلت پر تنبیہ کرتے رہے، مگر لبعد کی صدیوں میں امیر طبقے نے غلامی کو باقاعدہ جاری کر دیا، جو بے حد افسوس ناک ہے۔

اس ضمن میں جن لوگوں نے یہ استدلال کیا ہے کہ " اسلام میں " غلامی " نہیں ہے"۔ اور یہ کہ " قرآن حکیم صرف جنگی قیدیوں کو غلام بنانے کا حکم دیتا ہے۔ پھر یہ بھی حکم دیتا ہے کہ ان قیدیوں کو معاوضہ لے کر یا بلا معاوضہ چھوڑ دیا جائے۔ وہ اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ اُنہیں ہمیشہ غلام بنا کر رکھا جائے۔ اُن کی اولاد کو بھی غلام بنانا تو ایک طرف رہا........"

مرتب نے اس استدلال کے غیر صحیح ہونے پر مولانا سندھیؒ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے: " اسلامی انقلاب کے پہلے دور میں اس پر عمل نظر نہیں آتا۔ حالاں کہ خلفاء راشدین کے عہد میں اس آیت پر ان معنوں میں سب سے پہلے عمل ہونا چاہیئے تھا "

آیت " مَثَلُ الجنۃ التی وُعِدَ المتقون فیھا انھٰرٌ..... الخ" میں جنّت و دوزخ کی لذتوں

---

(۱) بھلائی سے مراد یہ ہے کہ اُنہیں موقع فراہم کیا گیا کہ وہ مسلمان خاندانوں کے ساتھ رہ کر مسلمان معاشرے کے رُکن بن سکیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عقوبتوں کا جو ذکر ہے، اُس کے بارے میں پہلے تو شاہ ولی اللہؒ کی یہ رائے نقل کی ہے کہ اِس دنیا کے اعمال اخلاق دوسری دنیا میں مثالی شکلیں اختیار کریں گے۔ اس کے بعد مرتب لکھتے ہیں :۔" ظاہر ہے کہ یہ تشبیہات (۱) ہر قوم کے لئے مختلف ہوں گے۔ یعنی ایک ہی نیک عمل ایک قوم کے لئے ایک شکل اختیار کرے گا اور دوسری کے لئے دوسری۔ چونکہ قرآن حکیم نے عربوں کو اپنے انقلاب کا آلۂ کار بنایا، اس لئے اُس نے اِن تشبیہات کا بیان عربوں کی طبیعت کے مطابق کیا ہے .... پس عرب کے جو لوگ قرآن حکیم کا انقلاب دنیا میں قائم کرنے کے لئے اپنی جان اور مال اس پر قربان کریں گے اور اس کوشش میں شہید ہو جائیں گے، اُن کے اچھے عمل بہشت میں ان نعمتوں کی شکل اختیار کر کے اُن کے لئے لذت اور راحت کا سامان بہم پہنچائیں گے۔"

اِس سے کچھ آگے اسی کی مزید وضاحت یوں کی گئی ہے :۔" غرض بہشت کی زندگی زیادہ تر ہمارے دنیاوی عملوں کا نتیجہ ہے لیکن اس کی جو نعمتیں قرآن حکیم بیان کرتا ہے اُنہیں دنیاوی چیزوں پہ قیاس نہیں کرنا چاہئے بلکہ وہ معنوی لذتیں ہوں گی۔ یہی حال جہنم کا ہے۔ وہ انسان کے بُرے عملوں کا نتیجہ ہے۔ یہاں اسے بھی عرب کی ذہنیت کے مطابق بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ گرم پانی کے ذریعہ جو صحراؤں میں ملتا ہے، اُنہیں جہنم شناخت کروائی گئی ہے۔ کسی دوسری قوم کا حکیم انہی باتوں کو اپنی قوم کی ذہنیت کے مطابق بیان کرے گا۔"

مرتب لکھتے ہیں کہ بے شک نماز روزہ وغیرہ فرائض مسلمان ہونے کی شرطیں ہیں، لیکن اسی پر اکتفا کر لینا کافی نہیں۔ اگر نمازیں پڑھ لیں اور جہاد نہ کیا۔ یا کم سے کم اس کی تیاری نہ کی اور مظلوموں کے ساتھ انصاف نہ کیا یا انصاف کرنے والا نظام پیدا کرنے کی کوشش نہ کی تو سب عمل اکارت گئے۔

★

"قرآنی عنوانِ انقلاب" سورہ فتح کی تفسیر ہے۔ سورہ کا شانِ نزول بیان کرنے کے بعد تفہیماتِ الٰہیہ جلد اوّل صـ۱۷۳ سے شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا ایک بڑا دلچسپ اقتباس دیا گیا ہے۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں :۔" واضح رہے کہ یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں دو خصوصیتیں جمع ہو گئی تھیں (۱) نبوتِ عامہ اور (۲) قریش کی سعادت کا سبب بننا۔ آپؐ

---

(۱) اعمال کا خاص خاص شکلیں اختیار کر کے ظاہر ہونا (مرتب)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی نبوت میں مفہمیت کی تمام قسمیں آگئی تھیں۔ اور اس سے ہر ایک رنگ دار اور گوری قوم کو فیض پہنچتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حکمتِ الٰہی کی مصلحتِ کلّی کا تقاضا ہوا کہ ترکوں کی سلطنت عام طور پر پھیل جائے تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی توجہ اسلام قبول کرنے کی طرف پھیر دی۔ باقی رہی قریش کی سعادت تو اُن کی لمبی حکومت کی وجہ یہی سعادت تھی۔"

اسی ضمن میں برصغیر پاک و ہند کے متعلق شاہ صاحبؒ یہ پیش گوئی فرماتے ہیں:۔" میرا وجدان گواہی دیتا ہے کہ اگر کسی سیاسی انقلاب کا تقاضا یہ ہوا کہ ہندوستان کے ہندو مستقل عمومی حکومت پیدا کر لیں تو یقیناً قانونِ الٰہی کا فیصلہ یہ ہوگا کہ ہندو لیڈر اسلام قبول کر لیں جیسے ترکوں نے قبول کر لیا تھا۔ کیونکہ جناب نبی اکرم صلعم کی عمومیت اور آپؐ کے صاحبِ ملّت ہونے کا یہی طبعی تقاضا ہے۔ حضرت نبی اکرم صلعم کے کلام کے ایک سے زیادہ پہلو ہیں۔ کبھی تو آپؐ نبی ہونے کی حیثیت سے کلام فرماتے ہیں۔ کبھی اس حیثیت سے کہ آپؐ قریش کی سعادت کا ذریعہ ہیں۔"

آیت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ کی تفسیر میں یہ بتایا گیا ہے کہ نبی کریم صلعم کی اجتماعی حیثیت تھی۔ اس کی تائید میں متعدد آیات پیش کرنے کے بعد لکھا ہے:۔" آپؐ کی یہی اجتماعی حیثیت تھی جو مشورہ کرنے کے حکم کو قبول کر سکتی ہے جس کا ذکر قرآن حکیم میں ان لفظوں میں آیا ہے" وشاورھم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی اللہ۔"

وشاوِرْھم والی آیت کی تفسیر امام الجصاص الرازی یوں کرتے ہیں:۔" حضرت نبی اکرم صلعم پر اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرنا لازم تھا۔ دینی اُمور میں بھی جن کے متعلق خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی صریح حکم موجود نہ تھا اور دنیاوی اُمور میں بھی۔ یہ غلط ہے کہ یہ مشاورت محض اُن کا جی خوش کرنے اور اُن کی قدر بڑھانے کے لئے تھی۔ اور اس لئے بھی کہ آپؐ کی اُمت اسی طرح کرے کیوں کہ جب کسی کو معلوم ہو کہ مجھ سے جس امر کے متعلق مشورہ لیا جا رہا ہے اور جس بارے میں صحیح رائے پوچھی جا رہی ہے، اُس کے متعلق میں نے ایک رائے اپنی پوری کوشش سے پیدا بھی کر لی یا سوچ بچار کر کے کوئی صحیح رائے قائم کر لی تو بھی اُس پر عمل نہ کیا جائے گا اور نہ اُسے قبول کیا جائے گا، تو بھلا اس مشاورت سے اُس کا جی کیا خوش ہو سکتا ہے۔ اور اس کی قدر کیا بڑھ سکتی ہے؟ بلکہ اُس کا اثر اُلٹا یہ ہوگا کہ ایسے مشورہ لینے والے سے وحشت بڑھے گی۔ کیوں کہ اُسے علم ہوگا کہ میری رائے نہ کسی کو سننی ہے اور نہ اُس پر عمل کرنا ہے۔"

© rasailojaraid.com